بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ یوم جمعۃ الوداع —— ۲۹ رمضان ۱۳۷۵ھ - ۱۱ مئی ۱۹۵۶ء

جمہوریہ اسلامیہ پاکستان

از جناب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب خطیب جامع شیرانوالہ گیٹ لاہور

برادران اسلام - آج آزاد "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کا یہ پہلا جمعۃ الوداع ہے - جو ۲۹ رمضان المبارک کے دن ادا کرنے کے لئے ہم مسلمان جمع ہوئے ہیں۔

سوال

اس تحریک آزادی کی ابتدا کب سے ہوئی اور کس نے کی؟

جواب

(۱) یہ تحریک آزادی علماء ہند کے ہاتھوں انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ سے شروع ہوئی - اور اس کی سنگ بنیاد رکھنے والے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے خاندان کے لوگ اور ان کے شاگرد اور مریدین ہیں -

(۲) اس تحریک میں فرقہ واریت اور مذہبی تنگ دلی کا نام نہ تھا - بلکہ تمام ہندوستان اور اس کے باشندوں کو بدیشی مظالم سے جو کہ تمام ملک کو برباد کر رہے تھے نجات دلانا تھا -

(۳) اس تحریک کا مقصد دنیاوی مفاد - ملک گیری خود غرضی - عہدوں اور منصوبوں کا حاصل کرنا، کسی قوم کو غلام بنانا - ان کی دولت اور ذرائع دولت کو ہتھیانا ہرگز نہ تھا - بلکہ محض خدا کی ہندوستانی عام مخلوق کو یورپین سپید بھیڑیوں اور ان کے حلفا کی لوٹ مار، چیر پھاڑ، تذلیل و توہین وغیرہ سے بچانا تھا - جو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا عظیم ترین مقصد ہے - عدل و انصاف امن و امان، انسانی ہمدردی، غربا پروری، کمزوروں کی امداد اسی مقصد اعلیٰ کے پھل پھول اور شاخیں ہیں

الحاصل دار الحرب بن جانے کے فتویٰ مذکورہ کے بعد اس کے فرائض کی انجام دہی میں غور و خوض شروع ہوا - حضرت شاہ صاحب مرحوم اور ان کے خاندانی حضرات اور تلامذہ اور مریدین با اخلاص میں گفت و شنید بحث و تمحیص ہونی ضروری تھی - اس کے بعد عام مسلمانوں کو ساتھ لینے اور اس فریضہ کی انجام دہی کے عمل میں لانے کی تدبیریں سوچی گئیں - اور ضروری سمجھا گیا - کہ عام مسلمانوں کو فریضہ مذکورہ کی دعوت دی جائے - مگر جب تک مدعوین کے کیریکٹر اور اخلاق و اعمال میں استقامت اور استقلال خدا ترسی اور اخلاص وغیرہ اعلیٰ ترین اخلاق پیدا نہ ہوں تو مقصد حاصل نہیں ہو سکتا - اور اگر بغیر ان کے اقدام کیا گیا - تو بجائے نفع کے ضرر کا سخت اندیشہ ہے - اس لئے ملک میں دورہ کرنا، ہر جگہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و تفہیم سے لوگوں کے عقائد و اخلاق و اعمال کو درست کرنا اور ان سے عہد و میثاق لینا کہ وہ اللہ تعالےٰ اور رسول علیہ السلام کی سچی اور پکی تابعداری کریں گے - چوری - زنا - ناحق قتل کرنا - لوگوں پر بہتان باندھنا وغیرہ تمام بڑے بڑے گناہوں سے دور رہیں گے - ضروری سمجھا گیا اور اس کام کے لئے حضرت سید احمد صاحب بریلوی مرید و خلیفہ خاص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے بھتیجے شاہ محمد اسمٰعیل صاحب اور داماد و بھتیجے مولانا عبدالحی صاحب مرحومین کو منتخب کیا گیا - اول الذکر کو سب کا سردار اور رہبر دو بزرگوں کو جو کہ بحکم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سید صاحب کے مرید بھی ہو گئے تھے - ان کا دست و بازو بنا دیا گیا - (منقول از نقش حیات جلد دوم صفحہ ۱۶-۱۷)

یہ تحریک آزادی ہند ۱۸۰۶ء یا ۱۸۰۳ء سے شروع ہوئی - اور ۱۹۴۷ء کی آزادی ہند تک باقی رہی - اس کی جنگی کارروائی صوبہ سرحد میں ۱۸۲۶ء میں شروع ہوتی ہے - باقی بیس برس گزشتہ زمین تیار کرنے اور تمام لوازمات کے پورے کرنے میں خرچ ہوتے ہیں - چھ برس متواتر جنگ رہنے اور بکثرت فتحمند ہونے اور اپنوں کی غداریوں کی بنا پر جبکہ ۱۸۳۱ء میں حضرت سید صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور بہت سے مجاہدین شہید ہو جاتے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں میں سے بہت سے حضرات اپنے اپنے اوطان کو واپس آ جاتے ہیں تب بھی ایک جماعت مسلمان مجاہدین کی وہاں باقی رہتی ہے اور اپنی تمام جدوجہد کی کارروائیوں کو سرگرمی کے ساتھ عمل میں لاتی رہتی ہے - وہ مایوس نہیں ہوتی - اس پر نامردی اور نامرادی کا اندھیرا موثر نہیں ہوتا - اس کی جماعت ہزاروں سے بڑھتے بڑھتے بعض اوقات میں لاکھ تک پہنچ جاتی ہے - عام مسلمانان ہند میں وہی جذبہ اور جوش آزادی اور جہاد کا اس قدر زوروں پر قائم اور موثر ہے - کہ رنگروٹ مہیا کرتے ہیں - مالی امداد نہایت مخفی طریقوں پر سالہا سال سے جاری کئے ہوتے ہیں - گورنمنٹ برطانیہ انتہائی سختی سے اس سب کو اپنی ہمہ گیر قوت سے دبانا چاہتی ہے - مگر باوجود شدید مظالم اور زمانہ کی درازی کے کامیاب نہیں ہوتی ہے - (منقول از نقش حیات جلد دوم صفحہ ۳۲-۳۳)

جہاد حریت ۱۸۵۷ء

اب ہم ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے متعلق کچھ عرض کریں گے - مگر چونکہ اس بارہ میں بہت سی تحریرات مختصر اور طویل لکھی جا چکی ہیں - اس لئے ہم غیر ضروری تفصیلات اور غیر مناسب واقعات کو درج کر کے ناظرین کے اوقات ضائع نہ کریں گے - اگرچہ انگریزوں کے خوف سے اس زمانہ میں بلکہ بعد تک پورے اور صحیح واقعات کا لکھنا اور شائع کرنا ممکن نہ تھا - اسلئے عام طور پر لوگوں کے علم میں سب واقعات نہیں آئے ہاں اس زمانہ کے موجود لوگوں سے روایتیں پہنچی جن کو علم میں نہیں آیا - انگریزوں نے اپنی وحشیانہ درندگیوں کو چھپانے اور اہل ہند (ہندو اور مسلمانوں) کو شیطان اور وحشی وغیرہ ثابت کرنے کے لئے سب سے زیادہ تصانیف کیں - مگر سب کی سب تقریباً جھوٹے اتہامات سے پُر اور حقیقت سے خالی ہیں - صرف ایڈورڈ ٹامسن کی تصنیف انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ کسی قدر بلکہ بڑے درجہ تک قابل اعتبار معلوم ہوتی ہے جہاں تک واقعات اور احوال خبر دیتے ہیں - وہ یہ ہے - ایک طرف تو انگریز اپنی کامیابیوں اور بڑھتی ہوئی قوت کے نشہ میں اس قدر چور اور بد مست ہو گئے تھے - کہ نہ کسی عہدنامے کا خیال رہا تھا نہ کسی راجہ مہاراجہ، نواب، بادشاہ کو خیال میں لاتے تھے - تمام ہندوستانیوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان انتہائی ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بات بات پر تحقیر و توہین سے بھرے ہوئے کلمات اور اعمال استعمال کرتے تھے - جیسا کہ وارن ہیسٹنگز کا مقالہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں - "انگریز ہندوستان میں آکر ایک نیا انسان بن جاتا ہے - جن جرائم کو وہ انگلستان میں خیال میں بھی نہ لا سکتا تھا ان کے کرنے کے لئے یہاں صرف اپنا انگریز ہونا کافی سمجھتا ہے لارڈ ڈلہوزی منسم بھی اسی کے قریب قریب لکھتا ہے -

الغرض جس قدر بھی زمانہ آگے بڑھتا جاتا تھا - انگریزی عہد شکنیاں اور نئے نئے مظالم طرح طرح کے روپ میں ظاہر ہوتے جاتے تھے - دوسری طرف ہندوستانیوں کی ہر قسم کی زندگی روز بروز ایسی فلاکتوں اور مصیبتوں کے گڑھوں میں گرتی چلی جاتی تھی - کہ جس کا پہلے لوگوں کو وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا - ریاستیں خلاف معاہدہ ضبط ہو رہی تھیں - اور ان کو اپنے خالص علاقہ میں شامل کر لیا جاتا تھا - گدی نشین کو طرح طرح کے حیلوں سے برطرف اور محروم کر دیا جاتا تھا - معمولی معمولی حیلوں بلکہ غلط اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے جن کے یورپین لوگ عموماً اور انگریز قوم خصوصاً عادی ہیں والیان ریاست پر حملہ یا ان کی معزولی عمل میں آتی رہتی تھی وغیرہ - وغیرہ -

حسب قول مشہور "تنگ آمد بجنگ آمد" مجبور ہو کر آزادی کے لیے کوشش کرنا ضروری سمجھا گیا۔ نیز وہ لوگ جو کہ سید صاحب کی تحریک میں داخل ہو کر سرحد پر پہنچے تھے۔ اور وہاں کی لڑائیوں اور جہادی کارروائیوں میں شریک رہے تھے۔ اور بالاکوٹ میں سید صاحب کے شہید ہو جانے کے بعد اپنے اوطان کو واپس آ گئے تھے۔ اور وہ لوگ جو کہ حضرت سید صاحب کے مرید اور ان کی تحریک میں کسی درجہ تک شریک تھے۔ ان لوگوں کے قلوب ہمیشہ آزادی کی تڑپ سے بے چین رہتے تھے۔ اس لئے تمام ہندوستانیوں نے عموماً اور مسلمانوں نے خصوصاً اس انقلاب ۱۸۵۷ء کو ضروری سمجھا۔ اور مقرر کیا گیا کہ ۱۱ رمئی کو تمام ہندوستان میں انقلابی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اور علم جہاد بلند کیا جائے۔ (منقول از نقش حیات حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی صفحہ ۳۹-۴۰ جلد دوم۔

ہمارے اکابر کا ۵۷ء کی تحریک میں حصہ لینا

ہمارے تمام اکابر علماء دیوبند و سہارنپور و مظفر نگر) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے تلامذہ کے شاگرد اور خوشہ چین رہے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے مسلک اور علم کے خلاف چلیں۔ چنانچہ جب سید صاحب کی تحریک جہاد شروع ہوئی۔ تو حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب شہید ولایتی (دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکی) اور حضرت شاہ نصیرالدین صاحب دہلوی (سابق پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب) اور بہت سے حضرات (اطراف سہارنپور مظفر نگر وغیرہ کے) شریک تحریک ہوئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ سرحد میں جا کر شہید ہوئے۔ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اعلیٰ جذبات حریت و جہاد اور ان کی تعلیمات روحانیہ سے ان حضرات کو انتہائی شغف اور حسن اعتقاد رہتا تھا۔ سرحد کی ناکامی اور آپس کی غداریوں سے ان حضرات کے قلب میں انتہائی قلق اور اضطراب ہمیشہ محسوس ہوتا رہتا تھا جب

انقلاب

۵۷ء کی تحریک اطراف و جوانب ہند خصوصاً اطراف دہلی میں چلنی شروع ہوئی۔ تو ان حضرات کے جوش حریت میں نئی حرکت پیدا ہوئی۔ ان بزرگوں نے محسوس کیا۔ کہ اس انقلاب میں حصہ لینا فرض اور لازم ہے۔ انگریزوں کے افعال ماضیہ اور احوال حاضرہ پر بخوبی مطلع تھے۔ اس تمام جماعت میں حضرت حافظ ضامن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز زیادہ پیش پیش تھے۔ (حضرت حافظ صاحب قطب العالم میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین اور اعلیٰ ترین خلفاء میں سے تھے۔ نسبت روحانیہ نہایت قوی اور بے مثل پائی تھی۔ میانجی صاحب مرحوم کی وفات کے وقت تک حضرت حاجی امداد صاحب کی تکمیل کیلئے سلوک تصوف پوری نہیں ہوئی تھی تو میانجی صاحب نے حضرت حاجی صاحب کی تکمیل کیلئے حافظ ضامن صاحب ہی کے سپرد کیا تھا) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک انقلاب میں حافظ صاحب کے ہمنوا تو ضرور تھے مگر پیش پیش اور اس قدر زیادہ جوش میں نہ تھے۔ اسی قصبہ تھانہ بھون میں میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے خلیفہ مولانا شیخ محمد صاحب رہتے تھے۔ چونکہ تینوں حضرات پیر بھائی اور ایک ہی مقدس ہستی میانجی صاحب کے دریوزہ گر تھے۔ اس لئے آپس میں میل جول اتحاد و اتفاق بڑے پیمانہ پر رہتا تھا۔ مگر مولانا شیخ محمد صاحب علوم عربیہ کے باقاعدہ فاضل تھے۔ علماء دہلی سے تمام نصاب علم ظاہر پڑھ چکے تھے۔ بخلاف حضرت حافظ صاحب اور حاجی صاحب کے کہ دونوں حضرات نے علوم عربیہ کی تکمیل نہیں کی تھی۔ اگر نسبت باطنیہ میں بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ اس بناء پر مسائل شرعیہ میں ہر دو حضرات مولانا شیخ محمد صاحب ہی کا اتباع کرتے تھے۔ بدقسمتی سے مولانا کی رائے یہی تھی۔ کہ انگریزوں کے ساتھ جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ احوال میں جائز ہی نہیں۔ اس اختلاف اور فتوےٰ کی بنا پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو ان کے اوطان سے دونوں حضرات نے بلوایا۔ یہ دونوں حضرات اس سے بہت پہلے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی اور حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب اور دیگر اساتذہ دہلی سے سند فراغ علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کر چکے تھے۔ اور اپنی ذکاوت اور مہارت میں بڑی شہرت حاصل کر کے سلوک و طریقت کی منازل بھی طے کر چکے تھے۔ جب ہر دو حضرات (مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما) پہنچ گئے۔ تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا (چونکہ وہ چچا پیر تھے۔ اس لئے ہمیشہ ان کا ادب کیا جاتا تھا۔ کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا:۔

کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سر و سامان ہیں۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ کہ کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے۔ جتنا کہ غزوۂ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن نے فرمایا۔ کہ مولانا بس سمجھ میں آ گیا۔ اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو قاضی بنایا گیا۔ اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ میسرہ (دائیں اور بائیں) کا افسر قرار دیا گیا۔ چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے تقویٰ علم (تصوف اور تشرع) کا بہت زیادہ شہرہ تھا۔ ان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے۔ اس لئے ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ علاوہ مریدین اور تلامذہ کے عام مسلمان بھی بے حد معتقد تھے۔ اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ اس وقت تک ہتھیاروں پر پابندی نہ تھی۔ عموماً لوگوں کے پاس ہتھیار تھے۔ جس کو رکھنا اور سیکھنا مسلمان ضروری سمجھتے تھے۔ مگر یہ ہتھیار پرانے قسم کے تھے۔ بندوقیں توڑے دار تھیں۔ کارتوس اور رائفلیں نہ تھیں۔ یہ صرف انگریزی فوجوں کے پاس تھیں مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے اور تھانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے گئے۔

خبر آئی۔ کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے۔ ایک پلٹن لا رہی ہے۔ رات کو یہاں سے گذرے گی۔ اس خبر سے لوگوں میں تشویش ہوئی۔ کیونکہ جو ہتھیار ان مجاہدین کے پاس تھے وہ تلوار بندوق توڑے والی اور برچھے وغیرہ تھے۔ مگر توپ کسی کے پاس نہ تھی۔ توپ خانہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ فکر مت کرو۔

بہت اچھا کہہ کر ساتھ ہو لئے۔ اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیکرٹری شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا۔ اور اس درجہ مطمئن پاکر کبھی مخبر کی دروغ گوئی کا غصہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیٰ حضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا۔ اور یہ کہہ کر کہ "اس کوٹھڑی میں کیا گھاس بھری جاتی ہے" اس کے پٹ کھولدئے راؤ عبداللہ خاں کی اس وقت جو حالت ہوئی ہوگی۔ وہ انہیں کے دل سے پوچھا چاہیئے۔ سمجھتے تھے۔ کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا۔ اور پیمانہ حیات لبریز ہو کر اچھلا چاہتا ہے۔ اس لئے راضی برضا الہی ہو کر جی ہاں کہا۔ اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔ خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جس وقت کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہے۔ تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا۔ لوٹا رکھا ہوا۔ اور نیچے وضو کا پانی البتہ بھرا ہوا پڑا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبداللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحاں و شاداں کچھ عجیب سماں تھا۔ کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار۔ کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر۔ آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا۔ اور کہا کہ خاں صاحب یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے۔

راؤ صاحب بولے۔ جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اور وضو میں مونہہ ہاتھ دھویا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی تیاری تھی۔ افسر نے ہنس کر کہا۔ آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھڑی۔ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیدیا۔ کہ جناب مسجد فرض نماز کے لئے ہے۔ اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ جواب لاجواب سن کر افسر نے پٹ بند کر دئے۔ اور اصطبل کے چاروں طرف غائر نظر سے ڈالنے کے بعد باہر نکلا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو یہ کلمات کہہ کر رخصت ہوا۔ "راؤ صاحب معاف کیجئے۔ آپ کو اس وقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔"

راؤ عبداللہ خاں کی نظر سے دوش کے سوار جب اوجھل ہوئے۔ تو واپس ہوئے۔ اور کوٹھڑی کھول دی۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت سلام پھیر چکے اور مصلے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

(امداد المشتاق صـ ۲۹-۳۰ از تذکرۃ الرشید صـ ۷۶)

(از نقش حیات صـ ۵۴ تا ۵۶)

اسلام زندہ ہوتا ہے ———— ہر کربلا کے بعد

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی تحریک جہاد ۱۸۵۷ء کے ارشد تلامذہ میں سے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک آزادئ وطن

ہندوستان کو انگریز کے پنجہ سے آزاد کرانے کیلئے علماء کرام کی جد و جہد

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کی نقل

ریشمی خطوط والی سازش۔ اگست ۱۹۱۶ء میں اس سازش کا انکشاف ہوا جو گورنمنٹ کے کاغذات میں ریشمی خطوط کی سازش کہلاتی ہے۔

یہ ایک تجویز تھی۔ جو ہندوستان ہی میں تیار کی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ شمالی مغربی سرحد سے ایک حملہ ہو۔ ادھر ہندوستان کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں۔ اور سلطنت برطانیہ کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ایک شخص مولوی عبیداللہ نے اپنے تین رفقاء شیخ محمد اور محمد علی کو ساتھ لے کر اگست ۱۹۱۵ء میں شمالی مغربی سرحد کو عبور کیا۔ عبیداللہ سکھ سے مسلمان ہوا ہے۔ اور صوبہ جات متحدہ کے ضلع سہارنپور میں مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ دیوبند میں اس نے مولوی کی تعلیم پائی تھی۔ وہاں اس نے اپنے جنگی اور خلاف برطانیہ خیالات سے عملہ مدرسہ کے بعض لوگوں اور کچھ طلبہ کو متاثر کیا۔ اور سب سے بڑا شخص جس نے اس پر اثر ڈالا وہ محمود الحسن تھا۔ جو سکول میں بہت دیر تک ہیڈ مولوی رہ چکا ہے۔ عبیداللہ چاہتا تھا کہ دیوبند کے مشہور مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولویوں کی وساطت سے تمام ہندوستان بھر میں ایک عام اسلامی جوش اور مسلمانوں میں برطانیہ کے خلاف تحریک پھیلا دیں۔ لیکن اس کی تجاویز کے راستہ میں مدرسہ کے مہتمم اور انجمن کے لوگ سد راہ ہوئے انہوں نے اسے اور اس کے چند ساتھیوں کو مدرسہ کی ملازمت سے برخاست کر دیا۔ اس امر کا بھی ثبوت مل چکا ہے کہ وہ بعض حالات میں مصیبت میں گرفتار رہا۔ پھر بھی وہ مولانا محمود الحسن کے پاس عام طور پر آتا رہا۔ مولانا کے مکان پر خفیہ جلسے ہوتے ہیں اور اس امر کی اطلاع ملی ہے۔ کہ سرحد سے کچھ آدمی بھی وہاں آتے تھے۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو محمود الحسن نے بھی ایک شخص محمد میاں اور دوستوں کے ساتھ عبیداللہ کی مثال کی پیروی کی۔ اور شمال کی طرف جانے کے لئے نہیں بلکہ عرب کے صوبہ حجاز میں مقیم ہونے کے لئے ہندوستان چھوڑ دیا۔ روانہ ہونے سے پہلے عبیداللہ نے دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا اور دو ایسی کتابیں معرض اشاعت میں لایا۔ جن میں ہندوستانی مسلمانوں کو جنگی اور مذہبی جوش کی ترغیب دی گئی تھی اور اُن کو جہاد کے فرض اولیٰ کے ادا کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اس شخص کا اور اس کے دوستوں کا جن میں مولانا محمود الحسن صاحب بھی شامل ہیں عام مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا ایک بہت زبردست حملہ ہندوستان پر ہو۔ اور مسلمانوں کی بغاوت سے اس کو تقویت پہنچے اب ہم ذیل میں اُن کوششوں کا ذکر کریں گے جو اُن لوگوں نے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیں۔ عبیداللہ اور اس کے دوست پہلے ہندوستانی مجنونان مذہب کے پاس گئے۔ اور اس کے بعد کابل پہنچے۔ وہاں پر ترکی۔ جرمنی کے ممبروں سے ملے اور اُن سے تبادلہ خیالات کیا۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد اُن کا دیوبندی دوست مولوی محمد میاں انصاری بھی آملا۔ یہ آدمی مولانا محمود الحسن صاحب کے ساتھ عرب گیا تھا۔ اور ۱۹۱۶ء میں وہ اعلان جہاد ساتھ لے کر آیا۔ جو حجاز کے ترکی فوجی حاکم "غالب پاشا" نے مولانا محمود الحسن کو دیا تھا۔ اثناء راہ میں "محمد میاں" اس تحریر (جو غالب نامہ سے مشہور ہے) کی نقلیں ہندوستان اور سرحدی قوموں میں تقسیم کرتا ہوا آیا۔

(منقول از جہاد حریت ۱۸۵۷ء کے بعد علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے از صـ ۵۴ تا ۵۶)

آزادی ہند کے سلسلہ میں اراکین جمعیۃ علماء ہند کی گرفتاریاں

(منقول از علماء حق اور اُنکے مجاہدانہ کارنامے حصہ دوم)

۲۹-۳۰ دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ۲۷-۲۸ شعبان ۵۹ھ کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس زیر صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل اعلان مرتب کیا گیا۔

"برطانیہ کی طرف سے اس نازک ترین تاریخی موقع پر بھی ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کرنا اور بعد از جنگ ہندوستانیوں کی آزادی کا اعلان نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے۔ کہ وہ ہندوستان کو اپنے اُوپر حکومت کرنے کا حق اور کسی قسم کا اقتدار دُنیا ہی نہیں چاہتی۔ اور اس صورت میں یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا جنگ میں برطانیہ کے ساتھ جس قدر تعاون اور امداد ہے وہ رضاکارانہ ہرگز نہیں ہے۔ اُن کی طرف سے اُن کی مرضی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اپنے وطن ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے یہی

سڑک ایک باغ کے کنارے سے گذرتی تھی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو۔ جب میں حکم کروں۔ سب کے سب ایک دم فائر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے سے گذری۔ تو سب نے یکدم فیر کیا۔ پلٹن گھبرا گئی۔ کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ اس سے لوگوں میں ان حضرت کی فراست ذکاوت، فنون حربیہ کی مہارت، معاملہ فہمی، اور ہر قسم کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

(منقول از نقش حیات حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم مدنی صفحہ ۴۱ تا ۴۲ جلد دوم)

حاصل

یہ نکلا۔ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کی بناء پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے لئے علماء کرام نے جہاد کا اعلان کیا۔ تاکہ ہندوستان انگریزوں کے پنجہ سے آزاد ہو جائے۔

جنگی عہدہ دار

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام المجاہدین۔

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سپہ سالار۔ افواج المجاہدین

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قاضی افواج المجاہدین۔

(۴) حضرت مولانا محمد منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ میسرہ (دائیں اور بائیں) کا افسر قرار دیا گیا۔

جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف دہلی کے علماء کرام کا فتوے

علماء میں مولانا احمد شاہ صاحب اور جنگ صاحب مدراسی۔ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی۔ جنہوں نے دہلی میں بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی تھی۔ اور استفتاء پیش کیا تھا مفتی صدر الدین صاحب آزردہ صدر الصدور دہلی۔ مولوی عبد القادر صاحب۔ قاضی فیض اللہ صاحب دہلوی مولانا فیض احمد صاحب بدایونی۔ ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی۔ سید مبارک شاہ رام پوری نے اس پر دستخط کر دئے تھے۔ اور اس فتوی کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی تھی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی (الثورۃ الہندیہ صفحہ ۱۵۶ از تاریخ ذکاء اللہ منقول از نقش حیات صفحہ ۴۵-۴۶)

تقدیر تدبیر پر غالب آگئی

ہندوستانیوں کو اپنے اعمال سابقہ کی سزا ملنی تھی۔ گذشتہ مصائب پاداش کے لئے احکم الحاکمین کے دربار عدالت میں کافی نہ تھے۔ اس لئے باوجود اس قدر جانبازیوں کے برٹش شہنشاہیت کو ہندوستانیوں پر اس طرح مسلط کر دیا گیا جس طرح کوڑے لگانے والے بھنگی جلاد کو مجرم پر مسلط کر دیا جاتا تھا جس میں نہ شرافت ہوتی ہے۔ نہ رحم و انسانی ہمدردی۔ ہندوستانیوں کو سپید برطانوی بھیڑیوں کے سامنے سرنگوں کرنا قدرت کی تجویز تھی۔ وہ ہو کر رہی۔ تحریک انقلاب و آزادی ناکام کر دی گئی۔ غلامیت کا طوق پہلے سے ہزاروں درجہ بوجھل کر کے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کی گردن میں ڈالوا دیا گیا۔ قصبہ تھانہ بھون اور اس کے اطراف و جوانب کے وہ مقامات جن کی شکایت کسی دشمن نے کر دی۔ برباد کر دئے گئے۔

(منقول از نقش حیات جلد دوم صفحہ ۴۴-۴۵)

دہلی کی حالت زار

وحشی نادر شاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی۔ جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جائز رکھی۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے۔ اور پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی۔ دالبھل کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ جن میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤلف نصرۃ التواریخ لکھتا ہے کہ ستائیس ہزار مسلمان قتل کئے گئے اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا۔"

(شاہ زار ماضی صفحہ ۹۹ از افسانہ غم صفحہ ۲۸-۲۹ منقول از نقش حیات صفحہ ۴۸)

علماء کرام کی استقامت

الحاصل ان (فتوی دینے والے) علماء نے آخر وقت تک اپنے فتوے کے مطابق عمل کیا۔ جنرل بخت خاں اور اس کی فوج اور مجاہدین نے پوری داد شجاعت دی۔ مگر آپس کے غداروں نے (جن کے سرغنہ مرزا الہی بخش اور مرزا مغل شہزادہ تھے) ہر قسم کی ابتری پھیلا دی اور نتیجہ وہی ہوا۔ جو ایسی باتوں کا ہوتا ہے۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو پوری دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور انتہائی سفاکی سے دہلی میں قتل عام جاری کر دیا گیا۔

(منقول از نقش حیات جلد دوم صفحہ ۴۷)

امام المجاہدین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

تینوں حضرات (حضرت حاجی صاحب۔ مولانا گنگوہی مولانا نانوتوی رحمہم اللہ تعالے) کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا ہے۔ اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ (انعام) تجویز ہو چکا ہے۔ سو لوگ تلاش میں ساعی اور جاسوس کی تک و دو میں پھرتے ہیں۔ اور حضرت حاجی صاحب راؤ عبد اللہ خاں رئیس پنجلاسہ کے اصطبل کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں مقیم ہیں۔ چاشت کی نماز کا وقت ہے (یعنی ۹ یا ۱۰ بجے صبح کا) ایک روز اسی کوٹھڑی میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلی بچھایا اور جان نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں۔ میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبد اللہ خاں اعلی حضرت کے بڑے جان نثار خادم اور مشہور مرید ہیں۔ گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے تھے۔ سمجھتے تھے۔ کہ اعلی حضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے قائم ہوتے ہوئے حضرت کے لئے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے مگر اس کے ساتھ ہی غلبہ حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے۔ کہ نہ مال کی پرواہ تھی۔ نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبد اللہ خاں حضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھڑی سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازہ کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دوش کو آتے دیکھا۔ اور ہکا بکا کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خدا جانے مخبر کون تھا۔ اور کس بلا کا پتلا تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھڑی تک معین کر دی تھی۔ چنانچہ دوش اصطبل کے پاس پہنچی۔ اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ گویا اپنے آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تاڑ گئے تھے۔ کہ

"دوائیں گل دیگر شگفت" مگر

"نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن"

اپنی جان یا عزت کے جانے، ریاست و زمینداری کے ملیامیٹ ہونے اور ہتھکڑیاں پڑ کر جیلخانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پرواہ نہ تھی۔ اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا۔ تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہو۔ اور عبد اللہ خاں کے گھر میں اس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پابزنجیر کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی راؤ صاحب ایک جوانمرد مستقل مزاج نہایت دلیر قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دبایا۔ اور چہرہ یا اعضاء پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا مسکرا کر جواب دیا۔ اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ دوش کا افسر گھوڑے سے اترا۔ اور یہ کہہ کر میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے۔ اس لئے بلا اطلاع بے تکلف آنے کا اتفاق ہوا۔ اصطبل کی جانب قدم اٹھائے تب راؤ صاحب

اس کا متمع نظر اور نصب العین ہے۔ نہ وہ نازی ازم کو ہندوستان پر مسلط دیکھنا چاہتی ہے۔ نہ فیسزم کو نہ اشتراکیت کو پسند کرتی ہے۔ نہ جاپانی پالیسی اور اقتدار کو وہ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا حق چاہتی ہے۔ اور بس۔

لہٰذا وہ علی رؤس الاشہاد اعلان کرتی ہے کہ اس کی پالیسی جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں میرٹھ کی تجویز کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور جس کی تصریح مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ر جنوری ۱۹۴۰ء (بنام وائسرائے ہند) میں کر چکے ہیں باوجود ایک سال گزر جانے اور مختلف مدارج و منازل سے گزر چکنے کے بعد آج بھی بدستور قائم ہے۔ اور وہ یہی ہے۔ کہ برٹش سامراج کی اس تحفظ شہنشاہیت کی جنگ میں شریک ہونے کی کوئی وجہ جواز نہیں پاتی۔

علمائے حق کی گرفتاریاں

جمعیتہ علماء ہند کے محترم اراکین اپنی اس پالیسی کی اشاعت تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے کر رہے تھے۔ مگر افسوس حکومت نے اُن کی پر صداقت صدا کی طرف منصفانہ توجہ دینے کی بجائے جبر و تشدد کے ذریعہ سے اس آوازِ حق کو دبانا چاہا۔ چنانچہ جابجا "کلمۃ الحق" کو سربلند کرنے والے مجاہد علمائے کرام کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ اور اُن پر مقدمات چلائے گئے۔ اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل علمائے کرام کے اسماء گرامی خاص طور قابلِ تذکرہ ہیں:۔

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جو سیاسی تدبر علمی تبحر تحریر اور تقریر کی اعلیٰ مہارت میں ممتاز ترین درجہ رکھتے ہیں۔

(۲) سالارِ اعظم انصار اللہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری

(۳) حضرت مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری

(۴) حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل صاحب الہ آباد رکن مجلس عاملہ جمعیتہ علماء ہند

(۵) مولانا الحاج محمد اسمٰعیل صاحب (ایم۔ ایل۔ اے) اُستاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

(۶) مولانا سید اختر اسلام صاحب استاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد وغیرہ وغیرہ۔

علمائے کرام جن کی

فہرست

کی طوالت اوراق کتاب کی وسعت کے لئے غیر قابلِ برداشت ہے۔

وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان ڈاکٹر خانصاحب کا علمائے کرام کو خراج تحسین کیونکہ آزادی ملک اُن کا بھی حصہ ہے

نوائے وقت ۱۶ر اپریل ۱۹۵۶ء

ایک انٹرویو کے دوران میں آپ نے اخباری نمائندوں کو بتایا۔ کہ مسئلہ کشمیر کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جو میں عوام سے تعلق رکھنے والے ہر دوسرے مسئلہ کے متعلق ظاہر کرتا رہا ہوں۔ اور وہ یہ کہ عوام کی رائے کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہونی چاہئے۔

پنڈت نہرو نے کہا تھا۔ کہ اگر کشمیر میں استصواب منعقد کرایا گیا۔ تو اس سے یہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر خانصاحب نے اس رائے سے عدم اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے۔ کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل یہی ہے۔ کہ اسے عوام کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا پیدائشی حق رکھتے ہیں۔

جب ان کی توجہ پنڈت نہرو کے بیان کے اس حصے کی طرف مبذول کرائی گئی۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ بھارت کے لیڈر انقلابی ہیں جب کہ پاکستانی لیڈروں پر یہ بات صادق نہیں آتی۔ تو ڈاکٹر خانصاحب نے کہا مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ پنڈت نہرو نے یہ بات کہی ہے۔ وہ جدوجہد آزادی میں پاکستانی عوام اور لیڈروں کی قربانیوں کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر خانصاحب نے اپنے آپ کو تحریک آزادی کا ایک ناچیز کارکن قرار دیتے ہوئے کہا۔ کہ خان عبد الغفار خاں اور اُن کے ہزاروں رفقاء کی قربانیوں کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے آزادی کی راہ میں اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ اور برطانوی سامراج کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور اُن جیسے دوسرے علماء کی خدمات کہاں گئیں جو زندگی بھر غیر ملکی استبداد کیخلاف لڑتے رہے کیا وہ انقلابی نہیں تھے

حاصل

یہ ہے۔ کہ پنڈت نہرو نے مملکت پاکستان کو یہ طعنہ دیا تھا۔ کہ پاکستان کے لیڈر انقلابی نہیں ہیں۔ تو وزیر کبیر مغربی پاکستان ڈاکٹر خانصاحب نے اس کا منہ توڑ جواب علماء کرام کو سامنے رکھ کر دیا۔ کہ کیا یہ علماء کرام انقلابی نہیں تھے۔ جو زندگی بھر ملکی استبداد کے خلاف لڑتے رہے

آزادی ملنے کے بعد اب کیا ہو رہا ہے

از نوائے وقت مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۵۶ء

بدعنوانی اور رشوت ستانی

ہمارا موجودہ دفتری نظام عبارت ہے اقرباپروری خویش نوازی۔ رشوت ستانی اور جنبہ داری سے اور یہ بدعنوانیاں گھن کی طرح پورے معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔ اِن کی مثالیں ہی نہیں۔ بلکہ داستانیں لوک زبان ہیں۔ اور سو میں سے ننانوے اپنے داؤ پر ہیں۔ سفارش رشوت اثر و رسوخ وغیرہ ایسی ناگزیر برائی بن چکی ہیں کہ آج کوئی شخص اپنے کسی جائز کام کے لئے بھی ان میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کئے بغیر حصول مقصد کا تصور نہیں کر سکتا قیام پاکستان کے بعد حب الوطنی خدمت خلق۔ فرض شناسی دیانت اور اس نوع کے دوسرے محاسن کا جو مظاہرہ قوم نے بڑی فراوانی سے کیا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ ناپید ہوتے گئے۔ اور اُن کی جگہ بددیانتی لالچ اور ہوس ناکی نے لے لی۔ کچھ عرصہ تک تو لوگوں کو اس کا احساس ہوتا تھا۔ اور نجی محفلوں میں اس پر بڑے دردناک انداز میں رائے زنی کی جاتی تھی۔ مگر اب یہ متاع بھی ختم ہو گئی۔ احساس زیاں بھی جاتا رہا۔ اور اب معمولی سے معمولی کام کے لئے بھی ہر شخص کسی جھجک کے بغیر یہ استفسار کرتا ہے۔ کہ یہ کام کیسے پورا ہی ہو سکتا ہے۔ متعلقہ افسر کس کی سفارش مانتا ہے۔ اس کا قریبی عزیز یا دوست کون ہے لوگ نہ صرف ایسی معلومات فراہم کر دیتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی غرض مند پریشان ہو تو اُسے بلا تکلف یہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ فلاں کی مٹھی گرم کرو۔ اور پریشانی سے نجات پاؤ

اس سے پہلے رشوت نے وباء کی یہ صورت اختیار نہیں کی تھی۔ ان بدعنوانیوں کی وجوہ کیا ہیں اور ان کے انسداد کی تدابیر کے باوجود ان کی بیخ کنی کیوں نہیں ہو پائی اور یہ زہریلا پودا عشق پیچاں کی بیل کی طرح آخر سارے معاشرے اور نظم و نسق کے گرد کیوں لپٹا ہوا ہے۔ عوام ان برائیوں کے آگے کیوں سپر ڈالتے ہیں۔ اور ان کے فروغ میں حصہ لینے پر کیوں مجبور ہیں؟ یہ بڑے اہم سوالات ہیں۔ مگر ان کے جواب کچھ مشکل نہیں۔ ان بدعنوانیوں نے ہمارے دفتری نظام اور معاشرے کا جو سرچشمہ گدلا کر رکھا ہے۔ اگر اس کے منبع کا پتہ چلایا جائے۔ تو یہ گندا نالہ اقتدار کی اونچی چوٹی سے نکلتا ہوا دکھائی دے گا۔ الناس علی دین ملوکھم عوام کالانعام ہر معاملہ میں خواص کی تقلید کرتے ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہی کا نمونہ ثابت ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح سرکاری ملازمین بھی اپنے اعلیٰ افسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اعلیٰ افسر اپنی باری میں وزرائے کرام اور سیاسی لیڈروں کے کردار کو اپناتے ہیں۔ بادشاہ اگر کسی باغ میں سے ایک سیب ناجائز طور پر وصول کرے تو اُس کے اہل کار پورا باغ ہی اجاڑ دیں گے۔

بہ نیم بیضہ چوں سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

جمہوریت میں بادشاہ کی جگہ وزیروں و پبلک لیڈروں نے لے لی ہے۔ سرکاری اہل کاروں کے سامنے مثال انہی کی ہے۔ اگر سرکاری اہل کار کو اس کا علم ہو۔ کہ وزیر بے داغ کیرکٹر کا مالک ہے۔ تو رشوت لینے کا عادی افسر بھی ایسے وزیر کے ماتحت محکمے میں سہم جائے گا۔ اور رشوت لیتے ہوئے ہچکچائیگا۔ لیکن اگر وزیر

خود ہی افسر کو بلا کر کہے۔ کہ فلاں آسامی پر میرے فلاں عزیز کو مقرر کردو۔ یا فلاں ٹھیکہ یا ڈپو وغیرہ میرے فلاں آدمی کو دے دو۔ تو ایسا وزیر صرف اُس افسر ہی کو جس سے وہ یہ ناجائز کام لیتا ہے۔ بددیانتی کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ پورے دفتر کو غلط راستے پر لگانے کا مجرم ہے۔ اور جب ایک محکمہ کے افسروں یا اہلکاروں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارا وزیر کنبہ پروری دوست نوازی یا رشوت ستانی کو معیوب خیال نہیں کرتا۔ تو وہ بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اُنہیں کھلی چھٹی مل گئی ظاہر ہے کہ جس وزیر کا اپنا دامن پاک نہیں۔ وہ کسی دوسرے افسر کا محاسبہ کس زبان سے کریگا۔

رشوت صرف یہی نہیں۔ کہ کوئی وزیر یا پبلک لیڈر نقد روپیہ وصول کرے کسی وزیر یا پبلک لیڈر کا اپنی پوزیشن اور اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور اپنے کسی غیر مستحق دوست یا عزیز کو اپنے ماتحت محکموں میں سے کسی محکمے کے منصب پر فائز کر دینا یا کسی اور محکمے میں اُس کی سفارش کرنا۔ ایسا منصب دلانا جس کا وہ حق دار نہیں۔ ٹھیکوں۔ الاٹمنٹوں۔ اجاروں اور پرمٹوں میں براہ راست اپنا یا کسی عزیز کا حصّہ رکھنا بھی بدترین قسم کی رشوت اور بددیانتی ہے۔ اس لئے تطہیر کی مہم سب سے پہلے اوپر سے شروع ہونی چاہئے۔ رشوت کے خلاف وعظ و نصیحت کی کوئی مہم اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوگی۔ جب تک وزیروں اور سیاسی لیڈروں کا اپنا دامن اس قسم کے دھبوں سے پاک نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بھی ایک تلخ تجربہ ہے۔ کہ اگر کوئی سرپھرا اور حد درجہ دیانت دار افسر کسی وزیر یا سیاسی لیڈر کی سفارش قبول نہ کرے۔ تو اُس کے خلاف انتقامی کاروائی کی جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے۔ کہ انسداد رشوت ستانی کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ معمولی کلرک چنگی انسپکٹر سپرنٹنڈنٹ یا پٹواری اور کانسٹیبل ہی پکڑے جاتے ہیں۔ اور اُنہیں سزا ملتی ہے۔ لیکن بڑے بڑے مگرمچھ صاف بچ جاتے ہیں۔ ان مگرمچھوں میں وزراء پارلیمنٹ کے ممبر اعلیٰ سرکاری افسر اور پبلک لیڈر سب ہی شامل ہیں۔ اور ہر ایک کی زبان پر ان کی بدعنوانیوں کے افسانے ہوتے ہیں۔ اس سے قبل اگر کسی وزیر کے متعلق یہ شکایات ہوتیں۔ کہ وہ پرمٹوں۔ ڈپوؤں لائسنسوں اور ٹھیکوں میں اپنا حصہ رکھ کر لاکھوں روپیہ کما رہا ہے۔ تو اس کے خلاف پروڈا کے تحت کاروائی بھی اتنی مشکل بنا دی جاتی تھی۔ کہ کوئی شخص درخواست کی جراءت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اب جب کہ پروڈا کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے۔ آج تک کسی وزیر۔ سیاسی لیڈر یا بڑے افسر کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ حالانکہ قانون کی نگاہ میں نہ صرف چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ ہر مجرم کو اُس کے منصب کے مطابق سزا ملنی چاہئے۔ یاد ہوگا۔ کہ سابقہ پنجاب اسمبلی میں ایک ممبر نے یہ سوال کیا تھا۔ کہ کتنے وزراء کے پاس کتنی الاٹمنٹیں ہیں پرمٹیں ہیں۔ اور مقدمات میں مداخلت کون کرتا ہے۔ لیکن اس سوال کے جواب میں معنی خیز خاموشی اختیار کی گئی۔ اس ضمن میں ہم یہ بھی متنبہ کر دیں۔ کہ کچھ لوگوں کو محض عبرتناک سزا دے دینے سے ہی معاشرہ اس گندگی سے چھٹکارا نہیں پائے گا۔ اور یہ بدعنوانیاں اُس وقت تک ختم نہیں ہونگی۔ جب تک انہیں کچلنے کے ساتھ ساتھ دوسرے ذرائع بھی اختیار نہ کئے جائیں۔ اس لئے کہ یہ محض انتظامی مسئلہ ہی نہیں۔ اس کا ایک انسانی پہلو بھی ہے۔ سرکاری ملازمین میں رشوت لینے کے رجحان کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ فی زمانہ انسانی اقدار بدل گئی ہیں۔ وہی شخص سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کے پاس اچھا گھر ہو۔ جس کا لباس شاندار ہو۔ جس کی کوٹھی اور کار ہو۔ اور جس کا بنک بیلنس ہو۔ سرکاری ملازم بھی اس رجحان کا شکار ہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگ اب اس سادگی پر مطمئن نہیں جتنے آج سے پچاس یا سو سال قبل تھے۔ پہلے جو اشیاء تعیش کا سامان سمجھی جاتی تھیں۔ اب لوازمہ زندگی ہیں۔ اس طرح رہن سہن کا معیار بڑھ چکا ہے ساتھ ہی اخراجات زندگی بھی بڑھ گئے ہیں۔ پھر تقسیم کے بعد متروکہ جائدادوں کے حصول کے امکانات نے عام پبلک کو جس میں سرکاری ملازمین بھی شامل ہیں۔ لالچی بدکردار اور حریص بنا دیا۔ ان کے سامنے بڑوں کی مثال تھی۔ جنہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لینے کی قیمت گھناؤنے طریقوں سے وصول کی۔ عوام نے سوچا۔ کہ جب ہر شخص مالدار بن سکتا ہے۔ تو وہ کیوں نہ بنیں۔

رشوت ستانی کی ایک اور بنیادی اور بڑی وجہ کنٹرول کا بڑھتا ہوا نظام ہے۔ تجارت اور صنعت کا نظام تو بالکلیہ کنٹرول کے تحت ہے۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹے سے کام کے لئے ایک شخص پرمٹ یا لائسنس حاصل کرنے پر مجبور ہے اس طرح ساری پبلک سرکاری ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی گئی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے سرکاری ملازمین کے بھی اتنے وسیع اختیارات ہیں۔ کہ وہ تجارت پیشہ لوگوں اور صنعت کاروں کی سرپرستی کر سکتے ہیں۔ اُن کے قلم کے الٹ پھیر سے لاکھوں کے وارے نیارے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح رشوت اور بددیانتی کے امکانات بے حد وسیع ہو گئے ہیں۔ ان حالات میں مناسب یہ ہے۔ کہ

۱۔ مقدمات اور امور سرکاری میں وزراء سیاسی قائدین اور ارکان اسمبلی کے بے جا مداخلت کی قطعاً اجازت نہ دی جائے۔ اور سرکاری حکام کو اس کی ضمانت دی جائے۔ کہ وہ ان سفارشات کی خلاف ورزی پر سفارش کنندہ کے عتاب سے محفوظ رہیں گے

۲۔ ایمان دار وفادار اور فرض شناس ملازمین کی حوصلہ افزائی کے لئے اعزاز اور تمغوں کے طریقہ کی تجدید کی جائے۔

۳۔ سرکاری ملازمین کے سفرخرچ اور تنخواہوں کے بل کی فوری ادائیگی کا انتظام کیا جاوے اور اخراجات زندگی میں اضافہ کے تناسب سے گرانی الاونس اور تنخواہ کے سکیل پر نظرثانی کی جاوے۔

۴۔ اعلیٰ حکام کو مجبور کیا جاوے۔ کہ وہ سادہ زندگی بسر کریں۔

۵۔ رشوت کھانے والے افسروں کے خلاف کاروائی کو آسان اور مؤثر بنایا جائے۔ سزا فوراً دی جاوے۔ اور جتنا بڑا افسر ہو اتنی ہی زیادہ سزا دی جاوے۔

۶۔ کنٹرول کے نظام کو ختم کر کے ایک عام آدمی کی زندگی میں کم سے کم مداخلت کی جاوے۔ ؏

رُخ سوئے میخانہ دارد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

نظم از حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی

(۱) زمیں بدلی زماں بدلا۔ مکیں بدلے مکاں بدلا
(۲) نہ میں بدلا نہ تو بدلا۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۳) زمانے کی روش بدلی۔ زمین و آسمان بدلے
(۴) نہ بدلا فکر انسانی۔ تو پھر بدلہ تو کیا بدلا
(۵) وزارت ہی بدلنی تھی۔ تو پھر بدلی تو کیا بدلی
(۶) نہ بدلا جو بدلنا تھا۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۷) نہ عادت حکمراں بدلی۔ نہ حالت بیکساں بدلی
(۸) حکومت ہی نہ جب بدلی۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۹) نہ راشی کی روش بدلی۔ نہ خویشاں پروری بدلی
(۱۰) نہ یہ بدلی نہ وہ بدلی۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا
(۱۱) بدلتا ہے اگر تجھ کو۔ بدل جیسے عمر بدلے
(۱۲) نہ جیسے بوجہل بدلا۔ تو پھر بدلہ تو کیا بدلا
(۱۳) بدل دے جو بدلنا ہے۔ بدلنا جرم ہے مخفی
(۱۴) بدلنا ہی نہ گر بدلا۔ تو پھر بدلا تو کیا بدلا

پاکستان کے مطالبہ کے وقت

مسلمانوں کا نعرہ

اے پاکستان میں بسنے والو۔ آپ کو یاد ہے پاکستان کے مطالبہ کے وقت آپ یہ نعرہ گلی کوچوں سڑکوں اور شاہ راہوں پر ہزارہا کی تعداد میں جلوس نکال کر لگاتے تھے "پاکستان کا مقصد کیا ہے۔ لا الہ الا اللہ کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا۔ کہ پاکستان میں فقط اللہ تعالےٰ کی حاکمیت ہوگی۔ اور کیا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا یہ مطلب نہیں تھا۔ کہ اس ملک میں سوائے قانون الٰہی یعنی قرآن مجید کے اور کوئی قانون

(بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

بقیہ خطبہ ؛ ———— (ص۱۴ سے آگے)

نافذ نہیں ہوگا۔ اور اے مسلمان کیا یہ تیرا عقیدہ نہیں ہے۔ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کی مراد وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

حاصل

اس مطالبہ کا یہ نکلا۔ کہ حدود پاکستان کے اندر کتاب (قرآن مجید) اور سنتہ (رسول) کے مطابق قانون نافذ ہوگا

دستور ساز اسمبلی کی تصدیق

پاکستان کے مقصد لا الہ الا اللہ ہونے کی جو توجیہ ہم نے کی ہے۔ اسی توجیہ قرارداد میں مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم نے کی ہے۔ جو دستور ساز اسمبلی نے منظور کی ہوئی ہے۔

وزیراعظم پاکستان کی قرارداد

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے۔ کہ آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔ جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔ جس میں اصول جمہوریت

حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے۔ پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے۔ کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں۔ ترتیب دے سکیں۔

شہیدوں کی دس لاکھ روحوں کا مطالبہ

اے پاکستان کے بسنے والو، مشرقی پنجاب میں جو دس لاکھ مسلمان شہید کئے گئے تھے، اُن کی روحیں تمہیں زبان حال سے پکار رہی ہیں کہ جب ہمیں محض کلمہ گو ہونے کے باعث انتہائی بے دردی اور سفاکی سے اپنے بیوی بچوں کے سامنے قتل کیا گیا تھا اور ہم نے کلمہ کے ناموس کی خاطر جان دے دی تھی، تو اب پاکستان میں خوشیاں منانے والو اب کیوں کلمہ لا الہ الا اللہ کے جھنڈے کو سر بلند نہیں کرتے؟ اور اب کیوں اسلام محمدی کا نام لینے سے گھبراتے ہو؟ اور کیوں سیکولر یعنی "لادینی" ریاست بنانے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ یاد رکھو ہمیں ذبح کرا کر تم نے پاکستان میں اسلام کا جھنڈا بلند نہ کیا تو قیامت کے دن ہمارے ہاتھ ہوں گے اور تمہارے گلے ہوں گے۔ اور احکم الحاکمین کا دربار انصاف ہوگا۔ پھر دیکھنا تمہاری کیا گت بنتی ہے

اگر قیامت پر ایمان ہے

اور اعمال کی جزاء و سزا کے قائل ہو تو پھر تمہارے لئے دنیا میں عزت پانے اور آخرت میں اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا جھنڈا بلند ہو اور اس کے ماتحت کتاب و سنت کا قانون رائج ہو (ارواح شہداء کا مطالبہ ختم)

لاکھوں بیوگان کا مطالبہ

اے پاکستان میں بسنے والو، خواہ عوام ہو یا خواص۔ رعایا ہو یا حکام، تم سے لاکھوں بیوگان یہ مطالبہ کر رہی ہیں۔ کہ اے ہمارے سہاگوں کے خون کی ہولی کھیل کر اور ہمیں دربدر دھکے دلا کر پاکستان بنانے والو، اب کیوں اُس خدا کے قانون کو پاکستان میں نافذ نہیں کرتے، جس کے لئے ہمارے سہاگوں کو بھینٹ چڑھایا گیا تھا۔ اس کلمہ لا الہ الا اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ورنہ قیامت کے دن دربار شہنشاہ میں ہم مستغیث ہوں گی اور آپ مستغاث علیہ ہوں گے۔ پھر دیکھنا تمہاری کیا گت بنتی ہے

لاکھوں یتیموں کا مطالبہ

اے پاکستان کے بسنے والو، تم سے وہ بےکس اور بےبس در در کے دھکے کھانے والے یتیم بچے بزبان حال مطالبہ کر رہے ہیں کہ اے پاکستان کے باشندو، ہمارے شفیق اور مہربان باپوں کے خون سے ہولی کھیل کر پاکستان بنانے والو، ہمارے باپوں کو جس مقصد کے لئے قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔ اُس وعدے کو پورا کرو۔ یعنی لا الہ الا اللہ والا قانون بنا کر پاکستان میں نافذ کرو۔ تو فبہا، ورنہ یاد رکھو قیامت کے دن ہمارے ہاتھ ہوں گے اور تمہارے گریبان ہوں گے ہم مستغیث ہوں گے اور تم مستغاث علیہ ہوں گے۔ اور احکم الحاکمین کا دربار ہوگا جس میں ہر فیصلہ صحیح ہوگا اور ہر مظلوم کی داد رسی ہوگی۔ اور کسی کی کوئی سفارش نہیں کی جائے گی۔ پھر دیکھنا کس کو داد ملتی ہے اور کس کو پابزنجیر کر کے دوزخ میں بھیجا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا ایک ضروری مطالبہ

دستور ساز اسمبلی جو قانون بنائے اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے مستند اور مقتدر علمائے کرام کا ایک بورڈ نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر کیا جائے۔ کیونکہ دستور ساز اسمبلی کے اراکین کا ماہر شریعت ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے ممکن ہے کہ بعض قوانین یا ان کی بعض شقیں دین محمدی جو تیرہ سو سال سے رائج ہے کے خلاف تجویز ہو جائیں اور علمائے کرام کے اس بورڈ کا فیصلہ خواہ متفقہ ہو یا اکثریت کی تائید اسے حاصل ہو وہی قطعی اور آخری فیصلہ سمجھا جائے

اس بورڈ کے دو شعبے

(الف) سُنیوں سے متعلقہ احکام پر نظر ثانی کرنے والا بورڈ سُنی علماء کا ہوگا۔

(ب) اور شیعہ حضرات کے متعلقہ قوانین کی دیکھ بھال کرنے والا بورڈ شیعہ حضرات کے مستند علماء کرام سے مرتب ہوگا شیعہ حضرات کے متعلق بھی اس بورڈ کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا۔

جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کو زندہ، تابندہ اور پائندہ بنانے کے اصول

پہلا

یورپین تہذیب و تمدن میں سے مخرب اخلاق چیزوں کو روکنا مثلاً مخلوط تعلیم۔ دفاتر میں مخلوط ملازمتیں، سینما، ڈانس، جوئے کی مختلف صورتیں مثلاً لاٹری وغیرہ

دوسرا

سکولوں اور کالجوں میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ایک معقول درجہ تک پڑھائی جائے تاکہ انہیں اسلام کی اہمیت، معقولیت اور تمام مذاہب پر فوقیت کا یقین کامل ہو جائے اور دین اسلام کے متعلق طلبہ اور طالبات کو اتنی معلومات ہوں کہ وہ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اپنے مذہب کی فوقیت بدلائل واضح کر سکیں۔ اور شاید تعلیم بہاں میں عملی روح پھونکنے کی بھی پوری کوشش کی جائے۔ مثلاً نماز پڑھنے روزہ رکھنے کو لازمی قرار دیا جائے۔

تیسرا

"جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں تاکہ باقی کے ہوش ٹھکانے پر آجائیں۔ مثلاً سمگلروں کو، رشوت خوروں کو، اغوا کنندگان کو، چوروں کو، ڈاکوؤں کو، بلیک مارکیٹ کرنے والوں کو، بددیانت افسروں کو وغیرہ وغیرہ۔

چوتھا

مسلمانانِ پاکستان میں "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کی حفاظت کے لئے جذبۂ جہاد پیدا کرنا۔ کہ اگر پاکستان کی کسی سرحد پر دشمن حملہ آور ہو تو سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کے شعلے بھڑک اٹھیں۔

پانچواں

مسلمانوں کو جب پاکستان کے دفاع کے لئے ہر وقت تیار رکھنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ لائسنس کی پابندی ہٹا دی جائے اور مسلمانوں کو ہتھیاروں کے رکھنے اور ان کے استعمال کی طریقے سیکھنے کی تمام اجازت دی جائے قرآن مجید میں بھی مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(باقی ص۲۴ پر)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷
ایڈیٹر
عبد الحنان چوہان

منظور شدہ محکمۂ تعلیم لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۲۱
مورخہ ۳ رمئی ۱۹۵۶ء

بدل اشتراک
سالانہ ..... ۵ روپے
ششماہی ..... ۳ روپے
فی پرچہ ..... چار آنے

بقیہ خطبہ (صفحہ ۲۲ سے آگے)

جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی خدمت

میں اپنی اور اپنے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء کرام کی طرف سے جذبۂ جہاد کی روح مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے خدمات پیش کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ خزانۂ پاکستان سے تنخواہ نہیں لیں گے البتہ بہترین نئی اور تیز رفتار موٹریں اور پٹرول اور ڈرائیور حکومت کے ہوں گے۔

بشرطیکہ

علماء کرام یہ خدمت حسبۃً للہ مفت انجام دیں گے بشرطیکہ "حکومت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان پہلے چار اصول کو عملی جامہ پہنا دے۔

وما علینا الا البلاغ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ط

بقیہ شذرات :— (صفحہ ۳ سے آگے)

عید مبارک

(صفحہ ۳ سے آگے)

ان کو اس مبارک مہینہ کی برکات سے پورا حصہ عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ ہم ان کی خدمت میں بھی عید مبارک عرض کرتے ہیں۔

اکثریت ان بدقسمت مسلمانوں کی ہے۔ جنہوں نے پورا مہینہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی خلاف ورزی میں بسر کر دیا۔ ان کے لئے رمضان المبارک کا آنا نہ آنا برابر تھا۔ اگر وہ اس کی آمد سے پہلے بدقسمت تھے تو اس کے جانے کے بعد ان کی بدقسمتی میں اضافہ ہو گیا۔ کاش ان کو اس کا احساس ہوتا کہ روحانی لحاظ سے ان کا کتنا بھاری نقصان ہوا ہے ہم اس قسم کے مسلمانوں کے لئے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوش قسمت بنائے۔ اور دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ تاکہ توبہ و استغفار کے ذریعہ وہ اس نقصان کی تلافی کر سکیں۔ اور اگر آئندہ سال زندگی ہے تو اس مبارک مہینہ سے پوری طرح مستفیض ہو سکیں۔

آمین یا الٰہ العالمین!

(ایڈیٹر)

(پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبید اللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے شائع ہوا)